محسنِ اردو ڈاکٹر محی الدین زورؔ

نام : سید محی الدین قادری **تخلص** : زورؔ **ادبی نام**: ڈاکٹر زورؔ

والد: حضرت سید شاہ غلام محمد قادری ناندیڑ دکن کے قادری مشائخ و سادات میں سے تھے۔ جوانی میں شاعری کرتے تھے اور کچھ ڈرامے بھی لکھے لیکن بعد میں حافظ قرآن ہو کر قلندرانہ زندگی بسر کر دی۔ آپ کا انتقال 1361 ہجری میں ہوا۔ ڈاکٹر زورؔ نے مسلم جنگ پل کے قریب ان کی قبر پر گنبد تعمیر کروا کر خاندانی یادگار خانقاہ بنوادی۔ ڈاکٹر زورؔ اپنے والد کا بے حد احترام کرتے تھے چنانچہ ہر روز صبح کام کو جانے سے پہلے ان کے گھر جا کر سلام و کلام کرتے تھے۔

خاندان: ڈاکٹر زورؔ خاندانِ طریقت سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا خاندان اور اجداد صدیوں سے دکن میں آباد ہے۔

ولادت: 1905ء دکن میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالعلوم میں ہوئی سٹی ہائی اسکول سے فارغ ہو کر 1925ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے درجہ اوّل میں بی۔اے کیا اور پھر وہیں سے 1927ء میں ایم اے کر کے گورنمنٹ کے وظیفہ پر انگلینڈ گئے جہاں آپ نے لندن یونیورسٹی سے 1929ء میں آریائی زبانوں کی لسانی تحقیقات میں پی، ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی آپ کا مقالہ اردو کے آغاز اور ارتقا پر مبنی تھا۔ آپ کا مقالہ عمدہ اور فکر انگیز تھا جس پر لندن یونیورسٹی کے صدر شعبہ ڈاکٹر بیلی گراہم نے جو اس ریسرچ کے نگران کار بھی تھے بہت تعریف کی۔ لندن کے بعد ڈاکٹر زورؔ نے سوان بورن یونیورسٹی کالج پریس میں صوتیات پر تحقیق کر کے اس موضوع پر پہلی کتاب انگریزی میں HINDUSTANI PHONETICS ہندوستانی فونٹکس پر شائع کی۔

مشاغل: یورپ سے لوٹنے پر آپ کو اردو کا ریڈر عثمانیہ یونیورسٹی میں بنایا گیا اور مولوی عبدالحق کے دہلی جانے کے بعد آپ کو صدر شعبہ اردو مقرر کیا گیا۔ بعد میں آپ دارالعلوم کالج پھر چادر گھاٹ لالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ حیدرآباد کی ملازمتیں تمام کر کے آپ بعد وظیفہ کشمیر یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو اور ڈین بنے۔

لباس و حلیہ: ابتدائی دور میں بھی ڈاکٹر زورؔ حیدرآبادی تہذیب کی نمائندگی میں شیروانی زیب تن کرتے اور تھوڑی پر چھوٹی سی داڑھی بھی رکھتے تھے جو خاندان طریقت کی شناخت بھی تھی۔ بقول نصیر الدین ہاشمی ''لندن کی آب و ہوا نے ان کو کلین شیو اور سوٹ بوٹ کا شیدائی بنیا دیا۔''

عمر : 57 سال۔

وفات: 24 ستمبر 1962ء دل کا شدید دورہ پڑنے کی وجہ سے 24 ستمبر کی رات کو اپنے خالق سے جا ملے۔ حیرتؔ بدایونی

نے اپنے دوست کے بچھڑ جانے پر بہت صحیح کہا ''حیدرآباد کی مٹی بھی عجیب مٹی ہے۔ ہیرا پیدا کیا تو کوہ نور۔ پھر صدیوں بعد ایک آدمی پیدا کیا تو ڈاکٹر زورؔ۔ کوہ نور رکھ لیا لندن نے اور زورؔ کو دبا بیٹھا کشمیر۔ ہائے تقدیر! حیدرآباد کی دولت باہر والوں کی قسمت میں تھی اور ہے۔ حیدرآباد کی عمدہ شاعرہ بانو طاہرؔہ سعید نے تین قطعات کا مرثیہ کہا۔

اے ارضِ کاشمیر یہ کیسا ستم کیا | ہیرا دکن کا چھین کے پہلو میں رکھ لیا
ہم رو رہے ہیں خون کے آنسو خبر بھی ہے | تو خوش ہے ''کوہ نور'' ہمارا تجھے ملا

جانِ بہار رنگِ بہاراں میں کھوگیا | کشمیر کی فضائے گل افشاں میں کھو گیا
اہلِ دکن کی آنکھ کا تارا وطن سے دور | رعنائیوں کی بزمِ غزل خواں میں کھو گیا

اے کاش ایک بار وطن کو پھر آ کے دیکھ | اپنے فدائیوں کو ذرا مسکرا کے دیکھ
تیرے بغیر کتنا اندھیرا ہے بزم میں | شمعِ حیات کاش دوبارہ جلا کے دیکھ

ڈاکٹر زورؔ ایک اعلیٰ پایے کے ادیب، ایک بے مثال محقق ایک منفرد نقاد ایک دلسوز معلّم، ایک عمدہ شاعر، ایک دلکش افسانہ نگار، ایک با کمال مدبّر، مسیحائے زبان دکن، طبیب زبانِ اردو، مورخ بے بدل، محدّث شہرِ عشق حیدرآباد جن کے حرف حرف سے دلبری جھلکتی ہے جن کے لفظ لفظ سے محبت چھلکتی ہے جن کی گفتگو سے بزمِ سخن مہکتی ہے اس کی گفتگو کیسے اس مختصر سے مضمون میں ہوسکتی ہے۔

شاعری: ڈاکٹر زورؔ ایک فطری شاعر تھے۔ ان کے والد مرحوم شاہ غلام محمد صاحب بھی عنفوان شباب میں شاعری کرتے تھے۔ اگر چہ زورؔ عمدہ شاعر تھے لیکن انھوں نے کبھی شاعر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ عرشؔ ملسیانی نے بہت سچ کہا ہے کہ ڈاکٹر زورؔ اردو اور فارسی زبانوں میں شعر بھی کہتے تھے۔ انکسار اتنا کہ شعر پڑھنے سے پہلے اپنے گردوپیش کے عزیز شعرا میں سے کسی کو کہتے کہ بھئی ہماری غزل دیکھ لو کہیں سقم تو نہیں۔ سقم ہوتا تو نہیں تھا لیکن شعر کے معاملے میں چونکہ مشق نہیں تھی، خود اعتمادی کم تھی۔ ڈاکٹر زورؔ کی آخری غزل جو مرنے سے چند دن قبل ستمبر 1962ء میں سری نگر میں کہی تھی۔

ساتھیو

پونچھ بھی ڈالو اب چشمِ نم ساتھیو | کیوں کریں آج بھی کل کا غم ساتھیو
اپنی تقدیر بنتی ہے تدبیر سے | اب نہ دشمن کا ڈھونڈھو کرم ساتھیو
منحصر ہے یہ دنیا جو اسباب پر | سب ہی اسباب ہوں گے بہم ساتھیو
ہم دمو جی نہ چھوڑو یہی وقت ہے | یوں ہی بڑھتا رہے ہر قدم ساتھیو
ہمّتیں پست ہونے نہ پائیں کہ اب | ختم ہوتا ہے دورِ ستم ساتھیو

ڈاکٹر زورؔ ایک منفرد انداز کے افسانہ نگار بھی تھے۔ انھوں نے اپنی طالب علمی کے زمانے ہی سے افسانہ نگاری شروع کر دی تھی چنانچہ وہ کئی ادبی پرچوں میں چھپتے رہتے تھے سب سے پہلا طویل نیم تاریخی افسانہ 1925ء بعنوان ''طلسم تقدیر'' حیدرآباد سے شائع ہو کر مقبول ہوا۔ اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے وہ اس تخلیقی نعمت پر اس قدر توجہ نہ دے سکے جس کا اس کو حق تھا۔ 1937ء میں ''سیر گول کنڈہ'' کے نام سے جو مختصر افسانوں کا مجموعہ شائع ہوا اس کی عمدہ پزیرائی ہوئی چنانچہ اس کے فوراً بعد گول کنڈے کے ہیرے'' کے نام سے کچھ افسانے لکھے اور پھر 1952ء میں'' فرخندہ بنیاد حیدرآباد'' میں چند افسانے اضافے کئے اس طرح تقریباً بیس (20) سے زیادہ افسانے آج ہمیں مطبوعہ شکل میں دستیاب ہیں۔

ڈاکٹر زورؔ نے تخیّل کے ساتھ ساتھ مستند واقعات کو اس خوبصورتی سے زیب داستان کیا کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ جس طرح آبِ حیات میں محمد حسین آزادؔ نے واقعات کو تخلیقی قوت سے آب حیات پلایا اسی طرح زورؔ نے حیدرآباد بھاگیہ نگر کی قدیم تاریخ جس پر وقت نے پردے ڈال دئے تھے نقاب کشی کر کے حسن یوسف کو بازار مصر میں پیش کیا۔ اگر ان پارینہ واقعات کو جو سیاحوں کے سفرناموں، فارسی اور دکنی قدیم کتابوں، شاہی اور عمومی یادداشتوں اور سینہ بہ سینہ چلتی ہوئی روایتوں سے حاصل ہوا تھا ایک کتاب کی منشیانہ یا تاریخی تحریر میں پیش کیا جاتا تو اتنی دلکش، دل سوز اور دل میں اترنے والی بات نہ ہوتی، ڈاکٹر زورؔ کا یہ تجربہ ان کی تخلیق کے ساتھ ساتھ اس اپچ کا بھی حصہ ہے جس کا مقصد دکنی تہذیب و تمدن کو آشکار کرنا اور قومی یک جہتی کا پرچار کرنا بھی ہے۔ بادشاہوں اور شہزادوں کے قصوں میں صرف دَربار اور دُرباری کی نمائش ہے لیکن زورؔ کے افسانوں میں محلوں کے ساتھ ساتھ جھونپڑوں کی روشنائی بھی ہے۔ کہیں شاہ و گدا کا عشق ہے تو کہیں ملکہ کی رعایا پروری، کہیں پاکیزگی اور متقی سلطان ہے تو کہیں وفاداری فوج اور درباریوں کی۔ ڈاکٹر زورؔ کے افسانے صرف وقت گزارنے اور دل بہلانے کے لیے نہیں بلکہ انسانی اقدار کی عظمت کو ظاہر اور اس سے درس حاصل کرنے کے لیے ہیں۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر زورؔ کے افسانوں کے مجموعے کئی بار شائع ہوئے اور ان کے کرداروں کے جملے آج بھی زبان زدہ عام اور خاص ہیں۔ اگر ان افسانوں کو فلمی اسکرپٹ میں تبدیل کیا جائے تو کئی کامیاب عشقی فلمیں بن سکتی ہیں۔ عبداللہ قطب شاہ جہانگیر کا ہم عصر تھا چنانچہ وہ بھی ایک حسینہ ''ننھی سانولی'' کا عشق تھا۔ ننھی سانولی افسانے میں اس حسینہ کی وفا اور ایثار اور قربانی کو جس طرح زورؔ نے پیش کیا ہے وہ ایک دکن کی ''انارکلی'' کا کردار ہو سکتا ہے اور اسی سے مغل اعظم کی طرح قطب اعظم بھی مشہور و معروف ہو سکتا ہے۔

تصانیف: ڈاکٹر زورؔ نے اپنی قلیل عمر میں کثیر تصانیف اور تالیفات کی ہیں۔ ان کی طبعی عمر (57) ستاون سال تھی اور ادبی عمر تقریباً (35) پینتیس سال۔ ایک اندازے کے مطابق ان کی (57) ساتون سے زیادہ کتابیں اور (300) تین سو سے زیادہ مقالے اور مضامین مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ان کا کتنا کلام ابھی غیر مطبوعہ موجود ہے اور کس قدر تلف ہو گیا ہے۔ ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ زورؔ صاحب عمدہ اور ذود نویس تھے۔ ڈاکٹر زورؔ کی بیٹی تسنیم زورؔ لکھتی ہیں۔ '' شام کے وقت ''تہنیت منزل'' گلابوں کی خوشبو میں مہکا ہوا، موتیا اور موگرا کی خوشبو میں نہایا ہوا اور رات کی رانی کی خوشبو میں ڈوبا ہوا رہا کرتا

تھا اور والد محترم اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے گلستان اردو کا گلزار مہکائے ہوئے مصروف رہتے۔ گھڑی جو سامنے کی دیوار پر لگی رہتی اس پر نظر ڈالتے اور کہتے کہ پون گھنٹہ میں ایک مضمون میں نے مکمل کر لیا۔ اطمینان کی سانس لیتے۔ بازو میں رکھے ہوئے چاندی کے پان دان سے ایک بیڑا بناتے اپنے احباب کو بھی پیش کرتے اور مسکراتے ہوئے ان سے گفتگو بھی ہوتی اور ساتھ قلم بھی چلتا رہتا۔''

ڈاکٹر زورؔ کی تصانیف کی فہرست کی جگہ اس مختصر تحریر میں نہیں لیکن کچھ کتابیں جو اہم اور شاہکار ہیں، ہم فن کے لحاظ سے ان کی تقسیم کر کے ان میں سے صرف چند کتابوں کے موضوعات اور متعلقات پر روشنی ڈالیں گے۔ ڈاکٹر زورؔ کی کتابوں کو فن کے اعتبار سے تنقیدیات، لسانیات، تخلیقیات، تاریخ، تاریخ ادب اور تحقیقات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف) تنقیدیات میں:

(۱) روحِ تنقید (۲) روحِ غالبؔ (۳) تنقیدی مقالات (۴) ادبی تاثرات اور
(۵) تین شاعر قابل ذکر ہیں۔

(ب) لسانیات میں:

(۱) ہندوستانی لسانیات (۲) فن انشا پردازی اور انگریزی میں (۳) ہندوستانی صوتیات مشہور ہیں۔

(ج) تخلیقیات میں افسانوں کے مجموعے:

(۱) طلسم تقدیر (۲) سیر گول کنڈہ (۳) گول کنڈے کے ہیرے اور (۴) فرخندہ بنیاد حیدر آباد مقبول ہوئے۔

(د) تاریخ کی عمدہ کتابوں میں:

(۱) سلطان محمد قلی قطب شاہ معانیؔ (۲) میر محمد مومنؔ (۳) گارسان دتاسی (۴) سرگزشت غالبؔ اور
(۵) سرگزشت حاتمؔ کی شہرت ہے۔

(ھ) تاریخ ادب کی کتابوں میں:

(۱) اردو شہ پارے (۲) داستان ادب حیدر آباد (۳) عہد عثمانی میں اردو کی ترقی اور (۴) تذکرہ اردو مخطوطات چھ جلدیں عمدہ کتابیں ہیں۔

(و) ادبی تحقیقات میں:

(۱) دیوان زادہ حاتمؔ (۲) تذکرہ گلزار ابراہیم (۳) مکتوبات شادؔ عظیم آبادی (۴) شاد و اقبالؔ
(۵) قصص خوب رنگ (۶) متاع سخن (۷) کیفِ سخن (۸) بادۂ سخن (۹) فیض سخن اور (۱۰) مرقعٔ سخن جلد اول و دوم شام ہیں۔

روح تنقید: یہ کتاب اردو تنقید پر پہلی اور عمدہ ترین کتاب شمار کی گئی ہے۔ یوں تو آزادؔ، سرسیدؔ، شبلیؔ، حالیؔ وغیرہ سے اردو تنقید پر گفتگو کا آغاز ہو چکا تھا لیکن جس طرح سے ڈاکٹر زورؔ سے مغربی تنقید سے فائدہ اٹھا کر گہرائی اور گیرائی سے اپنی طالب

علمی کے دور میں ایسی کتاب تصنیف کی جو نہ صرف کالجوں کے نصاب میں رکھی گئی بلکہ اس سے عامی اور عالم دونوں مستفید ہونے لگے اور کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ زورؔ کے استاد پروفیسر وحید الدین سلیم نے اس کتاب کو سراہتے ہوئے کہا جو صحیح پیشن گوئی ثابت ہوئی۔

''نثر نگاری کا ایک عمدہ نمونہ ان کی (ڈاکٹر زورؔ) ایک خاص کتاب ہے جو فن تنقید پر لکھی گئی ہے اور جس میں یورپ کے علمائے تنقید کے افکار و خیالات درج کئے گئے ہیں اور جو اردو زبان میں بالکل نئی چیز ہے......اگر چہ وہ چپ چاپ دکھائی دیتے ہیں مگر درحقیقت وہ اور ان کا دماغ علمی خیالات میں ہر وقت مصروف ہے۔ایک دن یہ ہونہار نو جوان تصنیف و تالیف کی دنیا میں ناموری پیدا کریگا۔عجب نہیں کہ اگر ان کی یہی شمولیت اور دماغی مستعدی رہی تو ایک زمانہ میں اردو انشا پردازوں کے دائرہ میں خاص طور سے ممتاز خیال کئے جائیں اور دکن کو ان کی ذات پر ناز کرنے کا موقع حاصل ہو۔''

روحِ تنقید نے حقیقت میں اردو تنقید کے جسم میں روح پھونک دی چنانچہ اس کے بعد اردو تنقید کے لٹریچر میں اضافہ ہوا۔روحِ تنقید اسم با مسمیٰ ہے۔اس کتاب کے مواد کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں تنقید اور ادب کی تعریف ان کی پیدائش تنقید اور ادب کا مقصد اور ان کے اصول تنقید نگاری کے فرائض اور اصول تنقید پر مفصل بحث ہے۔ کتاب کے دوسرے حصے میں تنقید کے ارتقا کو بیان کیا گیا ہے جس میں قدیم یونان و روم، انقلاب انگلستان اور فرانس بخصوص اٹھارویں صدی کے مشہور نقاد و شعرا کے خیالات اور بیانات کو بیان کیا گیا ہے۔ آخری حصے میں موجودہ تنقید کے مسائل اور کارنامے پیش کئے گئے ہیں جو اردو تنقید کی صحت کے لیے ضروری ہیں۔

کلیّات سلطان محمد قلی قطب شاہ معانیؔ:

ڈاکٹر زورؔ کی تصنیف اور تالیف کردہ شاہکار کتاب ہے۔ یہ کلیّات قطب شاہی سلطنت کے پانچویں حکمران اور بانی حیدر آباد سلطان محمد قلی قطب شاہ کے اردو کلام پر مشتمل ہے جو حیدر آباد کا بانی تھا۔اس کلیات کو 1025ء ہجری میں سلطان محمد قلی کے بھتیجے سلطان محمد قطب شاہ نے ایک منظوم دیباچے کے ساتھ مرتب کیا تھا جس میں تقریباً پچاس ہزار اشعار ہیں۔اس کلیّات کی دریافت اور طباعت کے بعد ولیؔ دکن نہیں بلکہ محمد قلی قطب شاہ معانیؔ پہلا اردو کا صاحب دیوان شاعر قرار پاتا ہے۔ ڈاکٹر زورؔ کا مرتب کردہ دیوان 1068 صفحات پر مشتمل مجلد ایک درجن سے زیادہ تصاویر اور نقاشیوں سے مجہز خوبصورت صحیفہ ہے جسے مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کمیٹی نے 1940ء میں مکتبہ، ابراہیمیہ پریس حیدر آباد سے شائع کیا۔کلیّات میں ایک معرکتہ الآرا مقدمہ ہے جسے ڈاکٹر زورؔ نے تین سال کی لگاتار محنت اور بلند انشا پردازی سے تحریر کیا ہے۔اس مقدمہ میں سلطان کی سوانح عمری کے ساتھ ساتھ اس دور کی ادبی مذہبی قومی سیاسی ثقافتی اور تہذیبی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے جسے بڑی عمدگی سے زورؔ نے پیش کیا ہے۔اس طولانی اور پر مغز مقدمہ کے صرف چند جملے بطور نمونہ یہاں پیش کرتے ہیں جس سے نہ صرف محمد قلی قطب شاہ کی شعری پختگی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اس سے جو ادبی نتائج نکالے گئے ہیں وہ عصری مسائل کا حل بھی معلوم ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری نے لکھا تھا کہ ہندوستان کی الہامی کتابیں دو (2) ہیں۔ وید مقدس اور دیوان غالبؔ لیکن اگر وہ عرش آشیانی محمد قلی قطب شاہ معانیؔ کی کلیات دیکھ پاتے تو اس قطعیت کے ساتھ دعویٰ کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ واقع یہ ہے کہ آج سے ٹھیک تین سو سال پیشتر اردو زبان ایک ایسے رفیع المرتبت شاعر کے نغموں سے مالا مال ہو رہی تھی جس کا لا ثانی کلام بجنوری مرحوم کے نقطۂ نظر سے صحیح معنوں میں الہامی کہا جا سکتا ہے۔ محمد قلی کا اردو کلام پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ کوئی صنف سخن ایسی نہیں جس میں اس نے کمال نہ دکھایا ہو اور نہ کوئی ایسا موضوع ہوگا جس پر اس نے طبع آزمائی نہ کی ہو قصیدے اور مثنویاں ا، مرثیے، رباعیاں غزلیں اور قطعات غرض ہر قسم کے وافر نمونے محمو قلی کی کلیات میں موجود ہیں ...... وہ کوئی پیشہ ور شاعر نہ تھا لیکن اسکا کام کسی ملک الشعرا کے شعری کارناموں سے بھی کسی طرح کم نہ تھا۔ وہ صرف اردو ہی کا شاعر نہ تھا فارسی اور تلنگی میں بھی اس نے ہزاروں شعر لکھے۔ اس کا دربار عالموں فاضلوں اور صاحب کمالوں سے معمور تھا۔ اس کے دستر خوان پر کبھی دس ہزار آدمی سے کم نہ ہوتے۔ اس نے غریبوں اور محتاجوں کی شنوائی کے لئے ہندوستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ ایک عالی شان دادمحل کی تعمیر کی جس کے دروازے بازار کے رخ رکھے گئے۔ اس نے اپنی غریب رعایا کو قتل و خون اور جنگ و جدال سے بچانے کے لئے اپنی بتیس (۳۲) سال کی حکومت کے دوران میں کبھی لڑائی کا اقدام نہیں کیا گیا۔"

اگر ڈاکٹر زورؔ اس دیوان کو مرتب نہ کرتے تو اردو ادب و شعرا اس خزانہ کے جواہرات سے محروم رہتے۔ ساڑھے تین سو سال قبل کے نیچرل شاعری کے نمونے آج کے دور میں پھر پلٹ کر شاعری کی رونق بن رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس کلیات میں سنسکرت، عربی اور فارسی کا عنصر زیادہ نہیں بلکہ اسلوب دلکش سلیس اور رنگین ہے۔ ڈاکٹر زورؔ نے بہت پتے کی بات کہی ہے کہ اگر کوئی زبان ہندوستانی کہلانے کی مستحق ہے تو وہ اس شاعر اعظم کی زبان ہے اور اگر محمد قلی کے پیدا کردہ رجحانات شعر و سخن اور زبان و ادب کی نہج بعد کے زمانے میں بھی جاری رہتا تو عہد حاضر میں اردو ہندی کا یہ افسوس ناک جھگڑا پیدا ہی نہ ہو سکتا اور آج اردو بلا شرکت غیرے تمام ہندوستان کی مشترکہ زبان ہوتی۔

میر محمد مومن: اس کتاب کی تصنیف بھی ڈاکٹر زورؔ کا شاہکار تصنیفی کام محسوب ہوتا ہے میر محمد مومنؔ قطب شاہی عہد کے مذہبی رہنما اور وزیر اعظم تھے۔ جن کے علم و دانش حالات زندگی اور خدمات بیسیوں کتابوں، کتبوں اور فرمانوں میں بکھرے پڑے تھے ڈاکٹر زورؔ نے اپنے بازو کے زور سے اس سنگین پتھر کو اٹھا کر محراب تاریخ میں سجا دیا۔ اس کتاب سے علامہ مومن کی شخصیت، خاندانی حالات، فن تعمیر اور دوسرے کارناموں پر روشنی پڑتی ہے۔ اس دانش مند وزیر اعظم نے اسلامی ناپ اور تول کے اصول اور آلات کے علاوہ تعمیر حیدرآباد میں بڑا عمدہ نقش بھرا۔ اگر چار مینار کے اوپری منزل پر مسجد تعمیر نہ ہوتی تو وہ بھی دادمحل اور کئی دوسری عمارتوں کے ساتھ اورنگ زیب کے فتوے سے منہدم ہو جاتا۔ چار مینار میں مسجد دیکھ کر اورنگ زیب نے چار مینار کی مسماری کا حکم واپس لے لیا اور یہ اسلامی کلچر کا حیدرآبادی کوہ نور محفوظ رہ گیا۔

تذکرہ اردو مخطوطات: ڈاکٹر زورؔ نے ادارہ ادبیات اردو میں موجودہ پانچ ہزار سے زیادہ عربی فارسی اردو مخطوطات کی چھ جلدوں میں فہرستیں مرتب کر کے شائع کی۔ ان مخطوطات کی فہرستوں میں کتابی معلومات کے ساتھ ساتھ مصنفین اور مولفین

کے بارے میں تفصیلی اور لازم معلومات شامل ہیں۔ یہ فہرستیں برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لندن کے کاٹیلاگ کے نحو پر ترتیب دی گئی ہیں جو بہت کارآمد ہیں۔ اردو ادب کی لسانیات میں ڈاکٹر زورؔ سرفہرست نظر آتے ہیں۔عثمانیہ یونیورسٹی سے پوسٹ گریجویشن کرنے کے بعد وہ اردو لسانیات پر کام کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ لندن میں انھیں Ph.D. کے لیے ہند آریائی زبانوں کی لسانیات کے تقابلی جائزہ نہ ملنے پر انھوں نے اردو کے قدیم عہد کے ادب کو اپنا موضوع بنایا پھر فرانس میں پروفیسر جیولیس بلوک کے ساتھ مل کر اردو کے مخصوص صوتیاتی پہلو پر کام کر کے دل چسپ نتائج برآمد کیے اور ان نتائج کو انگریزی میں ایک رسالے کے صورت میں مرتب کیا اور ہندوستانی فونی ٹکس کے نام سے شائع کیا۔ اس تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ کسی مخصوص صوت کو الگ الگ علاقے کے بولنے والے ایک طرح پر ادا نہیں کرتے بلکہ یہ بھی مسلّم ہے کہ ایک ہی علاقے کے رہنے والے بھی کسی مخصوص صوت کو ایک ہی طرح سے ادا نہیں کرتے بلکہ ایک ہی شخص کسی مخصوص صوت کو ہر بار ایک ہی طرح سے ادا نہیں کرسکتا۔
اس انگریزی کتاب کے علاوہ اردو میں میں ڈاکٹر زورؔ کی دوسری کتاب ہندوستانی لسانیت بھی ہے جس میں عام لسانیات، ان کی تقسیم بندی کے علاوہ اردو کے آغاز اور ارتقا پر مباحث موجود ہیں۔ آغاز اردو پر عمدہ مطالب ہیں۔ اردو کے آغاز، اس کی بنیادی بولی، مقام اور اس کے زمانے کے تعلق سے علمائے ادب میں اختلافات موجود ہیں جن کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک گروہ سندھ کو اردو کا ابتدائی گہوارہ کہتا ہے۔ سید سلیمانؔ ندوی اس خیال کے حامی ہیں ان کے پاس صرف تاریخی شواہد ہیں لسانی شواہد نہیں۔ دوسرا گروہ پنجاب کو اور قدیم پنجابی کو اردو کی بنیادی بولی قرار دیتا ہے۔ حافظ محمود شیرانی اور گراہم بیلی اس نظریے کے طرف دار ہیں۔ تیسرا گروہ اردو کو مغربی ہند کی بولی قرار دیتا ہے جو کھڑی بولی ہے۔ ڈاکٹر زورؔ نے اس مسئلہ میں ایک سمجھوتا کر کے اردو کو مولد اور بنیادی بولی کے بارے میں لکھتے ہیں ''اردو نہ تو پنجابی سے مشتق ہے اور نہ کھڑی بولی سے بلکہ اس زبان سے جو ان دونوں کا سرچشمہ ہے'' یہ سچ ہے کہ ڈاکٹر زورؔ نے جس زمانے میں اس کتاب کی تصنیف کی اس موضوع لسانیات پر کوئی کتاب اردو میں موجود نہ تھی۔ اس عظیم کارنامہ سے ڈاکٹر زورؔ نے آنے والی نسلوں کے لیے غور کرنے کی راہیں کھول دیں۔

روح غالبؔ میں غالبؔ کے خطوط، اقتباسات، غالبؔ کی اردو فارسی تصنیفات کے علاوہ مقدمہ بھی شامل ہے سرگزشت غالبؔ میں ان کی سوانح احباب محافل اور خاندانی سلسلے کے معلومات شامل ہیں گارسان دتاسی جو فرانس کا نامور مستشرق تھا اس کے علمی ادبی خدمات جو اردو کی تائید اور تشہیر میں ہے اس کتاب کا موضوع ہے۔ مکتوبات شادؔ عظیم آبادی سے حالی اور سرسید کی تحریکوں کے خصوصی مسائل سے واقفیت ہوتی ہے شادؔ و اقبالؔ میں ڈاکٹر زورؔ نے دونوں افراد کی تیس (۳۰) سالا دوستی اور شخصی زندگی کے مطالب پیش کیے ہیں۔

ڈاکٹر زورؔ کا سب سے بڑا کارنامہ ادارہ ادبیات اردو کا قیام ہے۔ یہ ادارہ 1931ء میں قائم ہوا۔ ڈاکٹر زورؔ نے عبدالقادر سروریؔ، نصیرالدین ہاشمیؔ، عبدالمجید صدیقی اور سعادت حسین رضوی وغیرہ کے تعاون سے اس ادارہ کی داغ بیل ڈالی۔ ادارہ ادبیات کے اغراض اور مقاصد حسب ذیل تھے۔

الف۔ حیدرآباد دکن میں اردو زبان وادب کا صحیح مذاق پیدا کرنا۔

ب۔ اردو زبان اور ادب کی توسیع واشاعت اور تحفظ۔

ج۔ ملک کے اردو پرستاروں اور نوجوانوں میں شاعری کا ذوق اور انشا پردازی کا شوق پیدا کرنا ان کی تصنیف وتالیف میں تعاون کرنا۔

ھ۔ اردو کو مختلف علوم سے جوڑنا۔

و۔ دکن کے تاریخی ادب اور آثار کی حفاظت کرنا۔

ز۔ ایک مکمل کتب خانہ کا قیام اور مخطوطات کی حفاظت کرنا۔

☆ اس ادارہ کی سرکردگی میں پانچ چھ سال کی مدت میں پندرہ بیس کتابیں شائع ہوئیں۔

☆ سب رس، بچوں کا سب رس، معلوماتی سب رس 1939ء میں یکے بعد دیگر منظر عام پر آکر مقبول ہوئے۔

☆ امجد حیدرآبادی کی جوبلی منائی گئی اور ۵ ہزار روپے پیش کیے گئے۔

☆ 1944ء میں اعلیٰ پیمانے پر کل ہند اردو کانگریس منعقد کی گئی۔ ملک کے صاحبان ذوق نے دل کھول کر تعاون کیا۔ آنے والوں میں مولوی عبدالحق، عبدالقادر مدیر مخزن، پنڈت دتا تیریہ کیفی پروفیسر رشید احمد صدیقی وغیرہ نے تین دن تک اردو زبان ادب کے مسائل پر گفتگو کی۔

☆ تہنیت زورؔ نے زمین عمارت کے لیے عطیہ کی۔

☆ خواجہ حسن نظامی نے ایوان اردو نام رکھا۔

☆ فیاض الدین آرکٹیکٹ نے حسین نقشہ تیار کیا جس میں قطب شاہی عادل شاہی، مغلیہ، رومن، الحمرا اور غرناطہ کے نقوش کو سمو دیا۔

☆ تاریخی میوزیم بنایا گیا جس میں قدیم سکوں، فرمانوں، کتبوں اور تحریروں کے علاوہ نقاشی کے نمونے، اسلحے، ظروف اور فرنیچر وغیرہ کا سامان رکھا گیا۔

☆ خالد کشمیر غلام بخش نے افتتاح کیا اور عطیہ بھی دیا۔ اس ادارہ کی جانب سے ہر سال یوم محمد قلی قطب شاہ منایا گیا۔

☆ حیدرآباد میں ہر سال یوم قلی قطب شاہ اور مشاعرہ منعقد کیا گیا۔

ڈاکٹر زورؔ کا دوسرا بڑا کارنامہ دکنی ادب پر منفرد اور ممتاز کام ہے۔ ڈاکٹر زورؔ نے اردو زبان کی عمر میں کم از کم ساڑھے تین سو سال کا اضافہ کیا۔ آپ نے سب سے پہلے اردو کے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کی سوانح لکھی اور اس کا کلیات ایک حاصل خیز معرکتہ الآرا مقدمے کے ساتھ 1941ء میں حیدرآباد سے شائع کیا۔

ڈاکٹر زورؔ نے ہندوستانی فونی ٹکس اور ہندوستانی لسانیات پر اولین اور عمدہ ترین کام کیا جو اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے۔ ڈاکٹر زورؔ کی (57) سے زیادہ تصانیف تالیفات اور (300) تین سو سے زیادہ مقالات آج اردو دنیا میں مطبوعہ شکل

میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر زور نے اردو کی بنیادی تعلیم اور اردو زبان دانی سے اردو کی عظیم خدمت کی۔

ڈاکٹر زوؔر حیدرآباد اور کشمیر کے قدیم قبرستانوں میں ادبی اور تاریخی خزانے ڈھونڈتے ہیں وہ بے نشان ادبی شاہکاروں کو نشان دیتے وہ اس طرح قبروں کے الواح اور تختیوں کو پڑھتے جیسے ان کی متاع عزیز انہی کتبوں کی زیر کھوگئی ہو۔ یہ بھی قدرت کا کرشمہ ہے کہ جس کشمیر کی وہ خاک چھانتے تھے وہیں کے باسی ہو کر رہ گئے۔ علامہ حیرؔت بدایونی نے سچ کہا ہے کہ حیدرآباد کا زور کشمیر نے لے لیا۔ زوؔر تو حضرت بل کے بل بوتے پر کشمیر کی جنت سے فردوس بریں کو تشریف لے گئے۔

کل زوؔر ایک معلّم تھے آج وہ خود ایک سبق اور درس ہیں۔ کل زوؔر ایک حقیقت تھے آج وہ خواب اور افسانہ ہیں۔

زوؔر صاحب مالی تعاون کے لیے صاحب استطاعت لوگ، حکمرانوں اور معززین سے رابطہ کرتے تھے انھوں نے کبھی کبھار ہی عوام سے مدد چاہی۔ خود ادارہ کے لیے دامے درمے سخنے تن من دھن کی بازی لگادی۔ ان کی شریک حیات تہنیت زوؔر نے اپنی ملک ارضی سے ادارہ ادبیات کی عمارت کے لیے قطعہ زمین عطیہ کی۔

اردو کے زوؔر محسن ہیں اردو پر زوؔر کی آن بان جان اور پہچان ہے جب تک اردو زندہ ہے زوؔر مر نہیں سکتا بلکہ زوؔر زندہ اور پائندہ ہے۔

ڈاکٹر زوؔر عالم بہ عمل تھے۔ وہ فنافی العلم تھے۔ علم ان کی حیات تھی تحقیق ان کی عبادت لسانیات ان کی مناجات صوتیات ان کی تسبیح۔

ڈاکٹر زوؔر کی شاگردہ پروفیسر سیّدہ جعفر کہتی ہیں۔ ادارہ ادبیات اردو ان کے خوابوں کی تعبیر، ان کے تخیل کا رنگ محل، ان کی مشقتوں اور آرزوں کی جادونگری اور ان کا شہر آرزو تھا۔ ڈاکٹر زوؔر کا اردو زبان و ادب، دکنی تہذیب و ثقافت اور قطب شاہی عشق کسی سے پوشیدہ نہ تھا اس تحریر کو ہم محمد قلی قطب شاہ کی عشقیہ غزل کے اشعار پر تمام کرتے ہیں۔

پیا باج (بغیر) پیالا پیا جائے نا ‌ ‌ ‌ پیا باج یک پل جیا جائے نا

کہی تھے (کیے) پیا بن صبوری کروں ‌ ‌ ‌ کھیا (کہا) جائے امّا کہا جائے نا

نہیں عشق جس وہ بڑا کُور ہے ‌ ‌ ‌ کدھیں (کبھی) اس سے مل بٹ یا (بٹھا) جائے نا

قطبؔ شہ نہ دے مج دوانے کوں پند ‌ ‌ ‌ دوانے کو کچ پند دیا جائے نا

از: ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینڈا)